مستقل قرار دیا جائے۔ معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا، جیساکہ تم دیکھ رہے ہو۔ اور پہلی ترکیب کی صورت میں ایک معنی یہ بھی کئے جاسکتے ہیں کہ آسمان ستونوں پر قائم ہیں ان کو تم دیکھ نہیں سکتے وہ غیر مرئی ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہؒ اور مجاہدؒ سے منقول ہے (ابن کثیر)

بہرصورت اس آیت نے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی یہ نشانی بتلائی کہ آسمان کی اتنی وسیع و عریض اور اتنی بلند عظیم الشان چھت کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں کوئی عمود اور ستون نہیں دیکھا جاتا ہے۔

ایک سوال و جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسمان جیساکہ فلاسفہ کہتے ہیں، اور عام طور پر مشہور ہے کہ ایک کرہ یعنی گول چیز ہے، اور ایسے گول کرہ میں وہ جہاں بھی ہو عادۃً عمود اور ستون نہیں ہوتے، تو آسمان کی کیا خصوصیت ہے؟

اس کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کریم نے اکثر مواقع میں زمین کو فراش فرمایا، جو گول اور کرہ ہونے کے بظاہر منافی ہے۔ مگر اس کی وسعت کی وجہ سے وہ عام نظروں میں ایک سطح کی طرح دیکھی جاتی ہے، اسی عوامی تخیّل کی بناء پر قرآن کریم نے اس کو فراش فرمایا، اسی طرح آسمان ایک چھت کی طرح نظر آتا ہے جس کے لئے عادۃً ستونوں اور عماد کی ضرورت ہوتی ہے، اس عام خیال کے مناسب اس کا بلاستون ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور درحقیقت قدرتِ کاملہ کے ثبوت کے لئے اتنے بڑے عظیم الشان کرہ کی تخلیق ہی کافی ہے۔ اور بعض مفسرین ابن کثیر وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ آسمان اور زمین کا مکمل کُرَہ ہونا قرآن و سنت کی رُو سے ثابت نہیں، بلکہ بعض آیات و روایات سے اس کا ایک قبہ کی شکل میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک صحیح حدیث میں جو ہر روز آفتاب کا تحت العرش پہونچ کر سجدہ کرنا مذکور ہے وہ اسی صورت پر ہو سکتا ہے کہ آسمان مکمل کرہ نہ ہو، اسی صورت میں اس میں فوق و تحت یعنی اوپر نیچے کی جہت متعیّن ہو سکتی ہے، مکمل کرہ میں کسی جہت و سمت کو اوپر یا نیچے نہیں کہہ سکتے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ

اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی کہ حق مان اللہ کا، اور جو کوئی حق مانے اللہ کا

فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

تو مانے گا اپنے بھلے کو اور جو کوئی منکر ہوگا تو اللہ بے پرواہ ہے سب تعریفوں والا

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ

اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا،

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ

بیشک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے، اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اسکے ماں باپ کے واسطے

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ

پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ

اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ

حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے، اور اگر وہ دونوں تجھ سے

عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ

اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور

صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ

ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے موافق اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری

اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

طرف، پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے،

يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ

اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی پھر وہ ہو کسی پتھر میں،

اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ

یا آسمانوں میں یا زمین میں لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی

خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ

چیزوں کو، خبردار ہے۔ اے بیٹے قائم رکھ نماز کو اور سکھلا بھلی بات اور منع کر

النصف

عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۷

برائی سے اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے بے شک یہ ہیں ہمت کے کام ۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ

اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اِتراتا بے شک

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝۱۸ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ

اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اِتراتا بڑائیاں کرنے والا ۔ اور چل بیچ کی چال اور نیچی کر

مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝۱۹

آواز اپنی ، بے شک بُری سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے ۔

خلاصۂ تفسیر

اور ہم نے لقمان کو دانشمندی (جس کی حقیقت علم مع العمل ہے) عطا فرمائی (اور ساتھ ہی یہ حکم دیا) کہ (سب نعمتوں پر عموماً اور اس نعمتِ حکمت پر کہ افضل النعم ہے خصوصاً) اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو اور جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے شکر کرتا ہے (یعنی اسی کا نفع ہے کہ اس سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے کما قال تعالیٰ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ، دینی نعمت میں تو ترقی دنیا میں بھی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی، دنیا میں تو شکرِ نعمت سے علم بڑھتا ہے اور توفیقِ عمل میں اضافہ ہوتا ہے اور آخرت میں ثواب عظیم ملتا ہے، اور دنیوی میں آخرت کی ترقی یعنی ثواب میں اضافہ تو یقینی ہے اور کبھی دنیا میں شکر کرنے سے نعمت بڑھ جاتی ہے) اور جو ناشکری کرے گا تو (اپنا ہی نقصان کرے گا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (تو) بے نیاز (اور سب) خوبیوں والا ہے (یعنی جونکہ وہ اپنی ذات میں کامل ہے جو مدلول ہے حَمِیْدٌ کا اس لئے وہ غنی ہے، اس کو کسی کے شکر و ثنا کی احتیاج نہیں، کہ اس میں استکمال بالغیر لازم آتا ہے اور چونکہ لقمان موصوف ہیں حکمت یعنی علم و عمل کے ساتھ، اس سے مفہوم ہوا کہ انھوں نے تعلیمِ شکر پر بھی شکر کیا ہوگا پس وہ شاکر بھی تھے اور شاکر ہونے سے ان کی حکمت میں ترقی بھی ہوئی ہوگی، پس وہ اعلیٰ درجہ کے حکیم ہوئے) اور (ایسے حکیم کی تعلیم ضرور قابلِ عمل ہونا چاہئے سو ان کی تعلیمات ان لوگوں کے سامنے ذکر کیجئے) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے

کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے (ظلم کی حقیقت علماء نے یہ بیان کی ہے کہ کسی چیز کو بے محل استعمال کیا جائے، اور یہ بات شرک میں سب سے زیادہ واضح ہے کہ پیدا کرنے والے کی جگہ بتوں کی پرستش کی جائے) اور (درمیان قصہ کے امر توحید کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے (کہ ان کی اطاعت اور خدمت کرے، کیونکہ انھوں نے اس کے لئے بڑی مشقتیں جھیلی ہیں بالخصوص ماں نے چنانچہ) اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاکر اس کو پیٹ میں رکھا، (کیونکہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے حاملہ کا ضعف بڑھتا جاتا ہے) اور (پھر) دو برس میں اس کا دُودھ چھوٹتا ہے (ان دنوں میں بھی وہ ہر طرح کی خدمت کرتی ہے، اسی طرح اپنی حالت کے موافق باپ بھی مشقت اٹھاتا ہے، اس لئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ یہ ارشاد کیا) کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگذاری کیا کر (حق تعالیٰ کی شکر گذاری تو عبادت و اطاعت حقیقیہ کے ساتھ اور ماں باپ کی خدمت و ادائے حقوق شرعیہ کے ساتھ کیونکہ) میری ہی طرف (سب کو) لوٹ کر آنا ہے (اس وقت میں اعمال کی جزاء و سزا دوں گا، اس لئے احکام کی بجاآوری ضروری ہے) اور (باوجودیکہ ماں باپ کا اتنا بڑا حق ہے جیسا ابھی معلوم ہوا، لیکن امر توحید ایسا عظیم الشان ہے کہ) اگر تجھ پر وہ دونوں (بھی) اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس (کے شریک الوہیت ہونے) کی تیرے پاس کوئی دلیل (اور سند) نہ ہو (اور ظاہر ہے کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں کہ جس کے استحقاق شرکت پر کوئی دلیل قائم ہو بلکہ عدم استحقاق پر بہت سی دلیلیں قائم ہیں، پس مراد یہ ہوئی کہ اگر وہ کسی چیز کو بھی شریکِ الوہیت ٹھہرانے کا تجھ پر زور دیں) تو تُو ان کا کہنا نہ ماننا اور (ہاں یہ ضرور ہے کہ) دنیا (کے حوائج و معاملات) میں (جیسے ان کے ضروری اخراجات اور خدمت وغیرہ) ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا اور (دین کے بارے میں صرف) اس (ہی) شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو (یعنی میرے احکام کا معتقد اور عامل ہو) پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر (آنے کے وقت) میں تم کو جتلادوں گا جو جو کچھ تم کرتے تھے (اس لئے کسی امر میں میرے حکم کے خلاف مت کرو... آگے پھر تکمیل ہے نصائح لقمانیہ کی کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو اور نصیحتیں بھی کیں چنانچہ توحید و عقائد کے بارے میں یہ بھی نصیحت کی کہ) بیٹا (حق تعالیٰ کا علم اور قدرت ایس درجہ ہے کہ) اگر (کسی کا) کوئی عمل (کیسا ہی مخفی ہو، مثلاً فرض کرو کہ وہ) رائی کے دانہ کے

برابر (مقدار میں) ہو (اور) پھر (فرض کرو کہ) وہ کسی پتھر کے اندر (چھپا رکھا) ہو (جو کہ ایسا حجاب ہو کہ اس کا رفع ہونا دشوار ہے اور بدون رفع کسی کو اس کے اندر کا علم نہیں ہوتا)، یا وہ آسمانوں کے اندر ہو (جو کہ عام خلائق سے مکاناً بہت بعید ہے) یا وہ زمین کے اندر ہو (جہاں خوب ظلمت رہتی ہے، اور یہی اسباب ہیں عام مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رہنے کے، کیونکہ کبھی کوئی چیز چھوٹی اور باریک ہوتی ہے کہ نظر میں نہیں آتی اور کبھی کوئی شدید حجاب حائل ہونے سے کبھی مکان کے بعید ہونے سے کبھی ظلمت سے، لیکن حق تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ اگر یہ اسباب بھی چھپنے کے مجتمع ہوں) تب بھی (قیامت کے روز حساب کے وقت) اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کر دے گا (جس سے علم اور قدرت دونوں ثابت ہوتی) بیشک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین (اور) باخبر ہے (اور اعمال کے باب میں یہ نصیحت کی کہ) بیٹا نماز پڑھا کرو (کہ بعد تصحیح عقائد کے اعلیٰ درجہ کا عمل ہے) اور (جیسا تصحیح عقائد واعمال سے اپنی تکمیل کی ہے اسی طرح دوسروں کی تکمیل کی بھی کوشش کرنا چاہئے، پس لوگوں کو) اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور (اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بالخصوص اور ہر حالت میں بالعموم) تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ (صبر کرنا) ہمت کے کاموں سے ہے اور (اخلاق وعادات کے باب میں یہ نصیحت کی کہ بیٹا) لوگوں سے اپنا رُخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل، بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر (نہ بہت دوڑ کر چل کہ وقار کے خلاف ہے، نیز گر جانے کا بھی احتمال ہے، اور نہ بہت گن گن کر قدم رکھ کہ وضع متکبرین کی ہے، بلکہ بے تکلف اور متوسط رفتار تواضع وسادگی کی چال اختیار کر، جس کو دوسری آیت میں اس عنوان سے ذکر کیا ہے یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا) اور (بولنے میں) اپنی آواز کو پست کر (یعنی بہت غل مت مچا، اور یہ مطلب نہیں کہ اتنی پستی کر کہ دوسرا سنے بھی نہیں آگے غل مچانے سے نفرت دلاتے ہیں کہ) بیشک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھوں کی آواز (ہوتی) ہے (تو آدمی ہو کر گدھوں کی طرح چیخنا اور چلّانا کیا مناسب ہے، نیز چیخ چلّاؤ سے بعض اوقات دوسروں کو وحشت واذیت بھی ہوتی ہے) ؛

معارف ومسائل

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ، حضرت لقمان علیہ السلام ، وہب بن منبہؒ کی روایت کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے ، اور مقاتلؒ نے ان کا خالہ زاد بھائی بتلایا ہے ۔ اور تفسیر بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ ان کی عمر دراز ہوئی ، یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا ۔ یہ بات دوسری روایات سے بھی ثابت ہے کہ لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے ہیں ۔

اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ لقمان ایک حبشی غلام تھے ، نجاری کا کام کرتے تھے (اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد فی الزہد وابن جریر وابن المنذر وغیرہ) اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ان کے حالات دریافت کئے گئے تو فرمایا کہ پست قد پست ناک کے حبشی تھے ، اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ حبشی غلام موٹے ہونٹ والے پھٹے ہوئے قدموں والے تھے ۔ (ابن کثیر)

ایک سیاہ رنگ حبشی حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا تو حضرت سعیدؒ نے اس کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تم اپنے کالے ہونے پر غم نہ کرو ، کیونکہ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے ۔ حضرت بلال حبشیؓ ، اور مہجعؒ حضرت عمر بن خطابؓ کے آزاد کردہ غلام اور حضرت لقمان علیہ السلام ۔

لقمان علیہ السلام جمہور سلف کے نزدیک نبی نہیں بلکہ ولی اور حکیم تھے

ابن کثیر نے فرمایا کہ جمہور سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے ، صرف حضرت عکرمہؓ سے ان کا نبی ہونا نقل کیا جاتا ہے ، مگر اس کی سند ضعیف ہے ۔ اور امام بغویؒ نے فرمایا کہ اس پر اتفاق ہے کہ وہ فقیہ اور حکیم تھے نبی نہیں تھے ۔ (مظہری)

ابن کثیر نے فرمایا کہ حضرت قتادہؓ سے ان کے بارے میں ایک عجیب روایت یہ منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت لقمان کو اختیار دیا تھا کہ نبوت لے لو یا حکمت ، انھوں نے حکمت کو اختیار کر لیا ۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ان کو نبوت کا اختیار دیا گیا تھا ، انھوں نے عرض کیا کہ اگر اس کے قبول کرنے کا حکم ہے تو میرے سر آنکھوں پر ورنہ مجھے معاف فرمایا جائے ۔

اور حضرت قتادہؓ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ لقمان علیہ السلام سے کسی نے

پوچھا کہ آپ نے حکمت کو نبوت پر کیوں ترجیح دی، جبکہ آپ کو دونوں کا اختیار دیا گیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ نبوت بڑی ذمہ داری کا منصب ہے، اگر وہ مجھے بغیر میرے اختیار کے دے دیا جاتا تو حق تعالیٰ خود اس کی کفالت فرماتے کہ میں اس کے فرائض ادا کر سکوں اور اگر میں اپنے اختیار سے اس کو طلب کرتا تو ذمہ داری مجھ پر ہوتی (ابن کثیرؒ)

اور جبکہ لقمان علیہ السلام کا نبی نہ ہونا جمہور کے نزدیک مسلّم ہے، تو پھر ان کو وہ حکم جو قرآن میں مذکور ہے اَنِ اشْكُرْ لِيْ یہ بذریعہ الہام ہو سکتا ہے جو اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے شرعی مسائل میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے، جب داؤد علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی تو فتویٰ دینا چھوڑ دیا کہ اب میری ضرورت نہیں رہی۔ بعض روایات میں ہے کہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ حضرت لقمان علیہ السلام سے کلماتِ حکمت بہت منقول ہیں۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت کے دس ہزار سے زیادہ ابواب پڑھے ہیں۔ (قرطبی)

حضرت لقمان ایک روز ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنا رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے؟ لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں، اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلقِ خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لئے دور دور سے جمع ہوتی ہے۔ لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں ایک ہمیشہ سچ بولنا، دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنھوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کر لو تو تمھیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا۔ وہ کام یہ ہیں: اپنی نگاہ کو پست رکھنا اور زبان کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات میں سچائی پر قائم رہنا، عہد کو پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا، پڑوسی کی حفاظت کرنا، اور فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا۔ (ابن کثیرؒ)

حکمت جو لقمان علیہ السلام کو دی گئی اس سے کیا مراد ہے؟

لفظ حکمت قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ علم، عقل، حلم و بردباری، نبوت، اصابت رائے۔

ابو حیان نے فرمایا کہ حکمت سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور ان کے دلوں میں مؤثر ہو اور جس کو لوگ محفوظ کر کے دوسروں تک پہونچائیں۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حکمت سے مراد عقل و فہم اور ذہانت ہے۔ اور بعض حضرات

نے فرمایا کہ علم کے مطابق عمل کرنا حکمت ہے، اور درحقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں، یہ سبھی چیزیں حکمت میں داخل ہیں۔ اوپر خلاصۂ تفسیر میں حکمت کا ترجمہ دانشمندی سے اور اس کی تفسیر علم باعمل سے کی گئی ہے یہ بہت جامع اور واضح ہے۔

آیت مذکورہ میں حضرت لقمان علیہ السلام کو حکمت عطا کرنے کا ذکر فرما کر آگے فرمایا ہے اَنِ اشْكُرْ لِيْ، اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہاں قُلْنَا محذوف مانا جائے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے لقمان کو حکمت دی اور یہ حکم دیا کہ میرا شکر ادا کیا کرو، اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اَنِ اشْكُرْ لِيْ خود حکمت کی تفسیر ہے، یعنی وہ حکمت جو لقمان کو دی گئی یہ تھی کہ ہم نے اس کو شکر کا حکم دیا انھوں نے تعمیل کی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گذار ہونا سب سے بڑی حکمت ہے۔ اس کے بعد یہ جتلا دیا کہ یہ شکر گذاری کا حکم ہم نے کچھ اپنے فائدہ کے لئے نہیں دیا ہمیں کسی کے شکر کی حاجت نہیں، بلکہ یہ خود انہی کے فائدے کے لئے دیا ہے۔ کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص ہماری نعمت کا شکر ادا کرتا ہے ہم اس کی نعمت میں اور زیادتی کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد لقمان علیہ السلام کے کچھ کلماتِ حکمت کا ذکر فرمایا ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے تھے، وہ کلماتِ حکمت قرآن کریم نے اس لئے نقل فرمائے کہ دوسرے لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھائیں۔

ان کلماتِ حکمت میں سب سے اوّل تو عقائد کی درستی ہے، اور ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلا شرکت غیرے یقین کرے، اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کو شریکِ عبادت نہ کرے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کی کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، اس لئے فرمایا يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ، آگے حضرت لقمان کی دوسری نصائح اور کلماتِ حکمت آئے ہیں، جو اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمائے تھے۔ درمیان میں حق تعالیٰ نے شرک کے ظلم عظیم ہونے اور کسی حال اس کے پاس نہ جانے کی ہدایات کے لئے ایک اور حکم ارشاد فرمایا:

والدین کی شکر گذاری اور اطاعت فرض ہے، مگر حکم الٰہی کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں

کہ اگرچہ ہم نے اولاد کو اپنے ماں باپ کی اطاعت اور شکر گذاری کی بڑی تاکید کی ہے، اور اپنی شکر گذاری و اطاعت کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گذاری اور اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن شرک ایسا ظلم عظیم اور سنگین جرم ہے کہ وہ ماں باپ کے کہنے سے اور مجبور کرنے سے بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہوتا، اگر کسی کو اس کے والدین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو

شریک قرار دینے پر مجبور کرنے لگیں تو اس معاملہ میں والدین کا کہنا بھی ماننا جائز نہیں۔

اور یہاں جبکہ والدین کے حقوق اور ان کی شکرگذاری کا حکم دیا گیا تو اس کی حکمت یہ بتلادی کہ اس کی ماں نے اس کے وجود و بقاء میں بڑی محنت برداشت کی ہے، کہ نو مہینے تو اس کو اپنے شکم میں رکھ کر اس کی حفاظت کی اور اس کی وجہ سے جو روز بروز اس کو ضعف پر ضعف اور تکلیف پر تکلیف بڑھتی گئی... اس کو برداشت کیا، پھر اس کے پیدا ہونے کے بعد بھی دو سال تک اس کو دودھ پلانے کی زحمت برداشت کی، جس میں ماں کو خاصی محنت بھی شب و روز اٹھانی پڑتی ہے، اور اس کا ضعف بھی اس سے بڑھتا ہے، اور چونکہ بچے کی پرورش میں محنت و مشقت زیادہ ماں اٹھاتی ہے، اس لئے شریعت میں ماں کا حق باپ سے بھی مقدم رکھا گیا ہے، وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ کا یہی مطلب ہے اور اس کے بعد وَاِنْ جَاهَدٰكَ میں یہ بتلایا ہے کہ غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے معاملہ میں والدین کی اطاعت بھی حرام ہے۔

اسلام کا بے نظیر قانونِ عدل اور ایسی صورت میں کہ ماں باپ اس کو شرک و کفر پر مجبور کریں اور اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہو کہ ان کی بات نہ مانو، تو طبعی طور پر انسان حد پر قائم نہیں رہتا۔ اس پر عمل کرنے میں اس کا امکان تھا کہ بیٹا والدین کے ساتھ بدکلامی یا بدخوئی سے پیش آئے ان کی توہین کرے۔ اسلام ایک قانونِ عدل ہے، ہر چیز کی ایک حد ہے، اس لئے شرک میں والدین کی اطاعت نہ کرنے کے حکم کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا کہ:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا، یعنی دین میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو، مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو، بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو ان کی بے ادبی نہ کرو، انکی بات کا جواب ایسا نہ دو جس سے بلا ضرورت دلآزاری ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک و کفر کے معاملہ میں نہ ماننے سے جو ان کی دل آزاری ہوگی وہ تو مجبوری کے لئے برداشت کرو، مگر ضرورت کو ضرورت کی حد میں رکھو، دوسرے معاملات میں ان کی دل آزاری سے پرہیز کرتے رہو۔

فائدہ:۔ اس آیت میں جو بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال بتلائی گئی ہے، یہ عام عادت کے مطابق ہے۔ اس میں اس کی کوئی تشریح و تصریح نہیں کہ اس سے زیادہ مدت تک دودھ پلایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس مسئلہ کی تشریح سورۃ احقاف کی آیت وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا کے تحت میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

دوسری وصیتِ لقمانی متعلقہ عقائد

یہ ہے کہ اس کا اعتقاد جازم رکھا جائے کہ آسمان و زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اس کے ایک ایک ذرّہ پر اللہ تعالیٰ کا علم بھی محیط اور وسیع ہے اور سب پر اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ کوئی چیز کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو جو عام نظروں میں نہ آسکتی ہو اسی طرح کوئی چیز کتنی ہی دور دراز پر ہو اسی طرح کوئی چیز کتنے ہی اندھیروں اور پردوں میں ہو اللہ تعالیٰ کے علم و نظر سے نہیں چھپ سکتی، اور وہ جس کو جب چاہیں جہاں چاہیں حاضر کر سکتے ہیں۔ یٰبُنَیَّ اِنَّھَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ الآیۃ کا یہی مطلب ہے۔ اور حق تعالیٰ کے علم و قدرت کا ہر چیز پر محیط ہونا خود بھی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور عقیدۂ توحید کی بہت بڑی دلیل ہے۔

تیسری وصیتِ لقمانی متعلقہ اصلاحِ عمل

اعمالِ واجبہ تو بہت ہیں مگر ان سب میں سب سے بڑا اور اہم عمل نماز ہے، اور خود اہم ہونے کے ساتھ وہ دوسرے اعمال کی درستی کا ذریعہ بھی ہے۔ جیسا کہ نماز کے بارے میں ارشاد ربانی ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ، اس لئے اعمالِ صالحہ واجبہ میں سے نماز کے ذکر پر اکتفاء فرمایا یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ "یعنی اے میرے بیٹے نماز کو قائم کرو۔ اور جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کا مفہوم صرف نماز پڑھ لینا نہیں بلکہ اس کے تمام ارکان و آداب کو پوری طرح بجا لانا، اس کے اوقات کی پابندی کرنا اور اس پر مداومت کرنا سب اقامتِ صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہیں۔

چوتھی وصیتِ لقمانی متعلقہ اصلاحِ خلق

اسلام ایک اجتماعی دین ہے، فرد کی اصلاح کے ساتھ جماعت کی اصلاح اس کے نظام کا اہم جزو ہے اس لئے نماز جیسے اہم فریضہ کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ذکر فرمایا گیا کہ لوگوں کو نیک کاموں کی دعوت دو اور بُرے کاموں سے روکو وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، یہ دو فرض ہیں ایک اپنی اصلاح اور دوسرا عام مخلوق کی اصلاح۔ دونوں ایسے ہیں کہ دونوں کی پابندی میں خاصی مشقت و محنت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اس پر ثابت قدم رہنا آسان نہیں، خصوصاً اصلاحِ خلق کے لئے امر بالمعروف کی خدمت کا صلہ دنیا میں ہمیشہ عداوتوں اور مخالفتوں سے ملا کرتا ہے۔ اس لئے اس وصیت کے ساتھ ہی یہ وصیت بھی فرمائی کہ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ، یعنی ان کاموں میں تمہیں جو کچھ تکلیف پیش آئے اس پر صبر و ثبات سے کام لو۔

پانچویں وصیتِ لقمانی متعلقہ آدابِ معاشرت

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ، لَا تُصَعِّرْ، صَعَر سے مشتق ہے جو اونٹ کی ایک بیماری ہے جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے، جیسے

انسانوں میں لقوہ معروف بیماری ہے جس سے چہرہ ٹیڑھا ہوجاتا ہے، مراد اس سے رُخ پھیر لینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی ملاقات اور گفتگو میں ان سے مُنہ پھیر کر گفتگو نہ کرو جو اُن سے اعراض کرنے اور تکبّر کرنے کی علامت ہو اور اخلاقِ شریفانہ کے خلاف ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا، مَرَحَ اکڑ کر، اترا کر چلنا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے سارے عناصر سے پست افتادہ بنایا ہے تم اسی سے پیدا ہوئے اسی پر چلتے پھرتے ہو اپنی حقیقت کو پہچانو اترا کر نہ چلو جو متکبرین کا طریقہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ، یعنی اللہ نہیں پسند کرتا کسی متکبر فخر کرنے والے کو۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ، یعنی اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، نہ بہت دوڑ بھاگ کر چلو، کہ وہ وقار کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ چلنے میں بہت جلدی کرنا مؤمن کی رونق ضائع کر دیتا ہے۔ (جامع صغیر عن ابی ہریرۃ رضؓ) اور اس طرح چلنے میں خود اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو تکلیف بھی پہونچنے کا خطرہ رہتا ہے۔ اور نہ بہت آہستہ چلو، جو یا تو اُن متکبّر اور تصنّع کرنے والوں کی عادت ہے جو لوگوں پر اپنا امتیاز جتانا چاہتے ہیں، یا عورتوں کی عادت ہے جو شرم و حیاء کی وجہ سے تیز نہیں چلتیں، یا پھر بیماروں کی عادت ہے جو اس پر مجبور ہیں۔ پہلی صورت حرام اور دوسری بھی اگر عورتوں کی مشابہت پیدا کرنے کے قصد سے ہو تو ناجائز ہے اور یہ قصد نہ ہو تو پھر مردوں کے لئے ایک عیب ہے۔ اور تیسری صورت میں اللہ کی ناشکری ہے، کہ تندرستی کے باوجود بیماروں کی ہیئت بنائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا، اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی۔ اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔

حضرت عائشہؓ نے کسی شخص کو بہت آہستہ چلتے دیکھا جیسے ابھی مر جائے گا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ ایسے کیوں چلتا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ قرّاء میں سے ہے۔ قرّاء، قاری کی جمع ہے، اس زمانے میں قاری اس کو بھی کہا جاتا تھا جو تلاوتِ قرآن کی صحت و آداب کے ساتھ قرآن کا عالم بھی ہو۔ مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا قاری عالم ہے، اس لئے ایسا چلتا ہے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ عمر بن خطابؓ اس سے زیادہ قاری تھے، مگر ان کی عادت یہ تھی کہ جب چلتے تو تیز چلتے تھے (مراد وہ تیزی نہیں جس کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ اس کے بالمقابل تیزی ہے) اور جب وہ کلام کرتے تھے تو اس طرح کہ لوگ اچھی طرح سُن لیں (ایسی پست آواز نہ ہوتی تھی کہ سننے والوں کو پوچھنا پڑے کہ کیا فرمایا)۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ، "یعنی آواز کو پست کرو" مراد پست کرنے سے یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو، اور شور نہ کرو۔ جیسا کہ ابھی حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق گذرا کہ کلام ایسا کرتے تھے کہ حاضرین سن لیں، انھیں سننے میں تکلیف نہ ہو۔

اس کے بعد فرمایا اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ، "یعنی چوپاؤں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے جو بہت شور کرتا ہے۔"

یہاں آدابِ معاشرت میں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں: اوّل لوگوں سے گفتگو اور ملاقات میں متکبرانہ انداز سے رُخ پھیر کر بات کرنے کی ممانعت، دوسرے زمین پر اترا کر چلنے کی ممانعت، تیسرے درمیانی چال چلنے کی ہدایت، چوتھے بہت زور سے شور مچا کر بولنے کی ممانعت۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و شمائل میں یہ سب چیزیں جمع تھیں۔ شمائلِ ترمذی میں حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی مرتضیٰؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو آپس میں آپ کا کیا طرز ہوتا تھا؟ انھوں نے فرمایا:

كان دائم البشر سهل الخلق لين الجانب ليس بفظٍ ولا غليظ ولا صخاب في الاسواق ولا فحّاش ولا عيّاب ولا مُشاحٍ يتغافل عمّا لا يشتهي ولا يؤيس منه ولا يخيب فيه قد ترك نفسه من ثلاث المراء والاكبار وما لا يعنيه،

"کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش و خرّم معلوم ہوتے تھے آپؐ کے اخلاق میں نرمی اور برتاؤ میں سہولت مندی تھی، آپؐ کی طبیعت سخت نہ تھی، بات بھی درشت نہ تھی، آپؐ نہ شور مچانے والے تھے نہ فحش گو تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ بخل کرتے تھے، جو چیز دل کو نہ بھاتی اس کی جانب سے غفلت برتتے تھے (مگر) دوسرے کو اس کی طرف سے ناامید بھی نہ کرتے تھے، (اگر حلال ہو اور اس کی رغبت ہو) اور جو چیز اپنی مرغوب نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کی کاٹ نہ کرتے تھے، (بلکہ خاموشی اختیار فرماتے تھے) تین چیزیں آپؐ نے بالکل چھوڑ رکھی تھیں (۱) جھگڑنا (۲) تکبر کرنا (۳) جو چیز کام کی نہ ہو اس میں مشغول ہونا۔"

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں